زبان

کوئی خیال
اور کوئی بھی جذبہ
کوئی بھی شَے ہو
جانے اُس کو
پہلے پہل آواز ملی تھی
یا اُس کی تصویر بنی تھی
سوچ رہا ہوں

کوئی بھی آواز
لکیروں میں جو ڈھلی

تو کیسے ڈھلی تھی
سوچ رہا ہوں
یہ جو اک آواز الف ہے
سیدھی لکیر میں
یہ آخر کس نے بھر دی تھی
کیوں سب نے یہ مان لیا تھا
سامنے میری میز پہ اک جو پھل رکّھا ہے
اس کو سیب ہی کیوں کہتے ہیں
سیب تو اک آواز ہے
اس آواز کا اس پھل سے جو انوکھا رشتہ بنا ہے
کیسے بنا تھا
اور یہ ٹیڑھی میڑھی لکیریں
جن کو حرف کہا جاتا ہے
یہ آوازوں کی تصویریں
کیسے بنی تھیں
آوازیں تصویر بنیں

یا تصویریں آواز بنیں تھیں
سوچ رہا ہوں

ساری چیزیں
سارے جذبے
سارے خیال
اور اُن کا تعارف
ان کی خبر اور
ان کے ہر پیغام کو دینے پر فائز
ساری آوازیں
ان آوازوں کو اپنے گھر میں ٹھہراتی
اپنی امان میں رکھتی
ٹیڑھی میڑھی لکیریں
کس نے یہ کنبہ جوڑا ہے
سوچ رہا ہوں

❁❁❁

جدھر جاتے ہیں سب، جانا اُدھر اچھا نہیں لگتا
مجھے پامال رستوں کا سفر اچھا نہیں لگتا

غلط باتوں کو خاموشی سے سننا، حامی بھر لینا
بہت ہیں فائدے اِس میں مگر، اچھا نہیں لگتا

مجھے دشمن سے بھی خودداری کی اُمید رہتی ہے
کسی کا بھی ہو سر، قدموں میں سر اچھا نہیں لگتا

بلندی پر اُنھیں مٹی کی خوشبو تک نہیں آتی
یہ وہ شاخیں ہیں جن کو اب شجر اچھا نہیں لگتا

یہ کیوں باقی رہے آتش زنو، یہ بھی جلا ڈالو
کہ سب بے گھر ہوں اور میرا ہو گھر، اچھا نہیں لگتا

❁❁❁

اک غم ہے جو گونگا ہے اور چہرہ چہرہ پھرتا ہے
دیکھیں اِس غم کو ملتی ہے لفظوں کی خیرات کہاں

کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ مجھ کو تیری تلاش کیوں ہے
کہ جب ہیں سارے ہی تار ٹوٹے تو ساز میں ارتعاش کیوں ہے

کوئی اگر پوچھتا یہ ہم سے، بتاتے ہم گر تو کیا بتاتے
بھلا ہو سب کا کہ یہ نہ پوچھا کہ دل پہ ایسی خراش کیوں ہے

اُٹھا کے ہاتھوں سے تم نے چھوڑا، چلو نہ دانستہ تم نے توڑا
اب اُلٹا ہم سے تو یہ نہ پوچھو کہ شیشہ یہ پاش پاش کیوں ہے

عجب دُوراہے یہ زندگی ہے، کبھی ہوس دل کو کھینچتی ہے
کبھی یہ شرمندگی ہے دل میں کہ اِتنی فکرِ معاش کیوں ہے

نہ فکر کوئی نہ جستجو ہے، نہ خواب کوئی نہ آرزو ہے
یہ شخص تو کب کا مر چکا ہے تو بے کفن پھر یہ لاش کیوں ہے

❁❁❁

آرام دہ مکاں تھا ، مکیں باتمیز تھے
بس کھڑکیوں کے پردے بہت ہی دبیز تھے

یہ کھیل کیا ہے

مرے مخالف نے چال چل دی ہے
اوراب
میری چال کے انتظار میں ہے
مگر میں کب سے
سفید خانوں
سیاہ خانوں میں رکھّے
کالے سفید مہروں کو دیکھتا ہوں
میں سوچتا ہوں

یہ مہرے کیا ہیں
اگر میں سمجھوں
کہ یہ جو مہرے ہیں
صرف لکڑی کے ہیں کھلونے
تو جیتنا کیا ہے ہارنا کیا
نہ یہ ضروری
نہ وہ اہم ہے
اگر خوشی ہے نہ جیتنے کی
نہ ہارنے کا ہی کوئی غم ہے
تو کھیل کیا ہے
میں سوچتا ہوں
جو کھیلنا ہے
تو اپنے دل میں یقین کرلوں
یہ مہرے سچ مچ کے بادشاہ و وزیر
سچ مچ کے ہیں پیادے
اور اِن کے آگے ہے

دشمنوں کی وہ فوج
رکھتی ہے جو کہ مجھ کو تباہ کرنے کے
سارے منصوبے
سب ارادے
مگر میں ایسا جو مان بھی لوں
تو سوچتا ہوں
یہ کھیل کب ہے
یہ جنگ ہے جس کو جیتنا ہے
یہ جنگ ہے جس میں سب ہے جائز
کوئی یہ کہتا ہے جیسے مجھ سے
یہ جنگ بھی ہے
یہ کھیل بھی ہے
یہ جنگ ہے پر کھلاڑیوں کی
یہ کھیل ہے جنگ کی طرح کا
میں سوچتا ہوں
جو کھیل ہے

اس میں اِس طرح کا اُصول کیوں ہے
کہ کوئی مہرہ رہے کہ جائے
مگر جو ہے بادشاہ
اُس پر کبھی کوئی آنچ بھی نہ آئے
وزیر ہی کو ہے بس اجازت
کہ جس طرف بھی وہ چاہے جائے
میں سوچتا ہوں
جو کھیل ہے
اس میں اِس طرح کا اُصول کیوں ہے
پیادہ جو اپنے گھر سے نکلے
پلٹ کے واپس نہ جانے پائے
میں سوچتا ہوں
اگر یہی ہے اُصول
تو پھر اُصول کیا ہے
اگر یہی ہے یہ کھیل
تو پھر یہ کھیل کیا ہے

میں اِن سوالوں سے جانے کب سے اُلجھ رہا ہوں
مرے مخالف نے چال چل دی ہے
اور اب میری چال کے انتظار میں ہے

❁❁❁

آنے نہ دیتے تھے کبھی ہم دل میں آرزو
پَر کیا کریں کہ لے کے ترا نام آ گئی

کل جہاں دیوار تھی، ہے آج اک در دیکھیے
کیا سمائی تھی بھلا دیوانے کے سر، دیکھیے

پُرسکوں لگتی ہے کتنی جھیل کے پانی پہ بط
پیروں کی بے تابیاں پانی کے اندر دیکھیے

چھوڑ کر جس کو گئے تھے آپ کوئی اور تھا
اب میں کوئی اور ہوں واپس تو آ کر دیکھیے

چھوٹے سے گھر میں تھے دیکھے خواب محلوں کے کبھی
اور اب محلوں میں ہیں تو خواب میں گھر دیکھیے

ذہنِ انسانی ادھر، آفاق کی وسعت اُدھر
ایک منظر ہے یہاں اندر کہ باہر دیکھیے

عقل یہ کہتی ہے دنیا ملتی ہے بازار میں
دل مگر یہ کہتا ہے کچھ اور بہتر دیکھیے

❁❁❁

جب جل رہا تھا شہر تو سرخ آسمان تھا
میں کیا کہوں تھی کیسی قیامت کی روشنی

ہم نے ڈھونڈے بھی تو ڈھونڈے ہیں سہارے کیسے
اِن سرابوں پہ کوئی عمر گزارے کیسے

ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھے، وہ تاریکی تھی
آ گئے ہاتھ میں کیا جانے ستارے کیسے

ہر طرف شور اُسی نام کا ہے دنیا میں
کوئی اُس کو جو پکارے تو پکارے کیسے

دل بجھا، جتنے تھے ارمان سبھی خاک ہوئے
راکھ میں پھر یہ چمکتے ہیں شرارے کیسے

نہ تو دم لیتی ہے تُو، اور نہ ہوا تھمتی ہے
زندگی زلف تری کوئی سنوارے کیسے

❁❁❁

اِن دنوں نااُمید رہتا ہوں
شاید اُس نے بھی یہ سنا ہوگا

آنسو

کسی کا غم سن کے
میری پلکوں پہ
ایک آنسو جو آ گیا ہے
یہ آنسو کیا ہے

یہ آنسو کیا اک گواہ ہے
میری دردمندی کا میری انسان دوستی کا
یہ آنسو کیا اک ثبوت ہے
میری زندگی میں خلوص کی ایک روشنی کا

یہ آنسو کیا یہ بتا رہا ہے
کہ میرے سینے میں ایک حسّاس دل ہے
جس نے کسی کی دلدوز داستاں جو سنی
تو سن کے تڑپ اُٹھا ہے
پرائے شعلوں میں جل رہا ہے
پگھل رہا ہے
مگر میں پھر خود سے پوچھتا ہوں
یہ داستاں تو ابھی سنی ہے
یہ آنسو بھی کیا ابھی ڈھلا ہے
یہ آنسو
کیا میں یہ سمجھوں
پہلے کہیں نہیں تھا
مجھے تو شک ہے کہ یہ کہیں تھا
یہ میرے دل اور میری پلکوں کے درمیاں
اک جو فاصلہ ہے
جہاں خیالوں کے شہر زندہ ہیں

اور خوابوں کی تُربتیں ہیں
جہاں محبت کے اُجڑے باغوں میں
تلخیوں کے ببول ہیں
اور کچھ نہیں ہے
جہاں سے آگے ہیں
اُلجھنوں کے گھنیرے جنگل
یہ آنسو
شاید بہت دنوں سے
وہیں چھپا تھا
جنھوں نے اِس کو جنم دیا تھا
وہ رنج تو مصلحت کے ہاتھوں
نجانے کب قتل ہو گئے تھے
تو کرتا پھر کس پہ ناز آنسو
کہ ہو گیا بے جواز آنسو
یتیم آنسو، یسیر آنسو
نہ معتبر تھا

نہ راستوں سے ہی باخبر تھا
تو چلتے چلتے وہ تھم گیا تھا
ٹھٹھک گیا تھا
جھجھک گیا تھا
اِدھر سے آج اک کسی کے غم کی
کہانی کا کارواں جو گزرا
یتیم آنسو نے جیسے جانا
کہ اِس کہانی کی سرپرستی ملے
تو ممکن ہے
راہ پانا
تو اک کہانی کی اُنگلی تھامے
اُسی کے غم کو رومال کرتا
اُسی کے بارے میں
جھوٹے سچے سوال کرتا
یہ میری پلکوں تک آ گیا ہے

❁❁❁

یقین کا اگر کوئی بھی سلسلا نہیں رہا
تو شکر کیجیے، کہ اب کوئی گِلا نہیں رہا

نہ ہجر ہے نہ وصل ہے، اب اس کو کوئی کیا کہے
کہ پھول شاخ پر تو ہے مگر کِھلا نہیں رہا

خزانے تم نے پائے تو غریب جیسے ہو گئے
پلک پہ اب کوئی بھی موتی جھلملا نہیں رہا

بدل گئی ہے زندگی، بدل گئے ہیں لوگ بھی
خلوص کا جو تھا کبھی وہ اب صلا نہیں رہا

جو دشمنی بخیل سے ہوئی تو اتنی خیر ہے
کہ زہر اُس کے پاس ہے مگر پلا نہیں رہا

لہو میں جذب ہو سکا نہ علم تو یہ حال ہے
کوئی سوال ذہن کو جو دے جِلا، نہیں رہا

❁❁❁

میرا تو اب یہ عالم ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے
یاد کروں تو یاد نہیں آتا، گھر کیسا ہوتا ہے

بظاہر کیا ہے جو حاصل نہیں ہے
مگر یہ تو مری منزل نہیں ہے

ق

یہ تو دا ریت کا ہے ، بیچ دریا
یہ بہہ جائے گا یہ ساحل نہیں ہے

بہت آسان ہے پہچان اِس کی
اگر دُکھتا نہیں تو دل نہیں ہے

مسافر وہ عجب ہے کارواں میں
کہ جو ہمراہ ہے، شامل نہیں ہے

بس اک مقتول ہی مقتول کب ہے
بس اک قاتل ہی تو قاتل نہیں ہے

کبھی تو رات کو تم رات کہہ دو
یہ کام اِتنا بھی اب مشکل نہیں ہے

❁❁❁

تم بیٹھے ہو لیکن جاتے دیکھ رہا ہوں
میں تنہائی کے دن آتے دیکھ رہا ہوں

کائنات

میں کتنی صدیوں سے تک رہا ہوں
یہ کائنات اور اس کی وسعت
تمام حیرت تمام حیرت
یہ کیا تماشا یہ کیا سماں ہے
یہ کیا عیاں ہے یہ کیا نہاں ہے
اتھاہ سا گر ہے اک خلا کا
نجانے کب سے نجانے کب تک
کہاں تلک ہے
ہماری نظروں کی انتہا ہے
جسے سمجھتے ہیں ہم فلک ہے

یہ رات کا چھلنی چھلنی سا کالا آسماں ہے
کہ جس میں جگنو کی شکل میں
بے شمار سورج پگھل رہے ہیں
شہابِ ثاقب ہیں
یا ہمیشہ کی ٹھنڈی کالی فضاؤں میں
جیسے آگ کے تیر چل رہے ہیں
کرور ہا نوری برسوں کے فاصلوں میں پھیلی
یہ کہکشائیں
خلا کو گھیرے ہیں
یا خلاؤں کی قید میں ہیں
یہ کون کس کو لیے چلا ہے
ہر ایک لمحہ
کروروں میلوں کی جو مسافت ہے
اِن کو آخر کہاں ہے جانا
اگر ہے اِن کا کہیں کوئی آخری ٹھکانا
تو وہ کہاں ہے
جہاں کہیں ہے
سوال یہ ہے

وہاں سے آگے کوئی زمیں ہے
کوئی فلک ہے
اگر نہیں ہے
تو یہ ''نہیں'' کتنی دور تک ہے

میں کتنی صدیوں سے تک رہا ہوں
یہ کائنات اور اِس کی وسعت
تمام حیرت تمام حیرت
ستارے جن کی سفیر کرنیں
کروروں برسوں سے راہ میں ہیں
زمیں سے ملنے کی چاہ میں ہیں
کبھی تو آ کے کریں گی یہ میری آنکھیں روشن
کبھی تو آئے گا میرے ہاتھوں میں روشنی کا اک ایسا دامن
کہ جس کو تھامے میں جا کے دیکھوں گا ان خلاؤں کے
پھیلے آنگن
کبھی تو مجھ کو یہ کائنات اپنے راز کھل کے
سنا ہی دے گی
یہ اپنا آغاز اپنا انجام

مجھ کو اک دن بتا ہی دے گی
اگر کوئی واعظ اپنے منبر سے
نخوت آمیز لہجے میں یہ کہے
کہ تم تو کبھی سمجھ ہی نہیں سکو گے
کہ اِس قدر ہے یہ بات گہری
تو کوئی پوچھے
جو میں نہ سمجھا
تو کون سمجھے گا
اور جس کو کبھی نہ کوئی سمجھ سکے
ایسی بات تو پھر فضول ٹھہری

❁❁❁

مری شناخت، مری انفرادیت، آواز
برا اگر نہیں مانیں حضور، اب بھی ہے

جینا مشکل ہے کہ آسان ذرا دیکھ تو لو
لوگ لگتے ہیں پریشان ذرا دیکھ تو لو

پھر مُقرّر کوئی سرگرم سرِمنبر ہے
کس کے ہے قتل کا سامان ذرا دیکھ تو لو

یہ نیا شہر تو ہے خوب بسایا تم نے
کیوں پرانا ہوا ویران ذرا دیکھ تو لو

ان چراغوں کے تلے ایسے اندھیرے کیوں ہیں
تم بھی رہ جاؤ گے حیران ذرا دیکھ تو لو

تم یہ کہتے ہو کہ میں غیر ہوں پھر بھی شاید
نکل آئے کوئی پہچان ذرا دیکھ تو لو

یہ ستائش کی تمنا یہ صلے کی پرواہ
کہاں لائے ہیں یہ ارمان ذرا دیکھ تو لو

❁❁❁

تُو کسی پہ جاں کو نثار کر دے کہ دل کو قدموں میں ڈال دے
کوئی ہوگا تیرا یہاں کبھی یہ خیال دل سے نکال دے

مرے حکمراں بھی عجیب ہیں کہ جواب لے کے وہ آئے ہیں
مجھے حکم ہے کہ جواب کا ہمیں سیدھا سیدھا سوال دے

رگ و پَے میں جم گیا سرد خوں، نہ میں چل سکوں نہ میں ہل سکوں
مرے غم کی دھوپ کو تیز کر مرے خون کو تُو اُبال دے

وہ جو مسکرا کے ملا کبھی تو یہ فکر جیسے مجھے ہوئی
کہوں اپنے دل کا جو مدّعا، کہیں مسکرا کے نہ ٹال دے

یہ جو ذہن دن کی ہے روشنی تو یہ دل ہے رات میں چاندنی
مجھے خواب اُتنے ہی چاہییں یہ زمانہ جتنے خیال دے

❁❁❁

اب تک زندہ رہنے کی ترکیب نہ آئی
تم آخر کس دنیا میں رہتے ہو بھائی

اعتراف

سچ تو یہ ہے قصور اپنا ہے
چاند کو چھونے کی تمنا کی
آسماں کو زمین پر مانگا
پھول چاہا کہ پتھروں پہ کھلے
کانٹوں میں کی تلاش خوشبو کی
آگ سے مانگتے رہے ٹھنڈک
خواب جو دیکھا
چاہا سچ ہو جائے
اِس کی ہم کو سزا تو ملنی تھی

❁❁❁

مثال اِس کی کہاں ہے کوئی زمانے میں
کہ سارے کھونے کے غم پائے ہم نے، پانے میں

وہ شکل پگھلی تو ہر شَے میں ڈھل گئی جیسے
عجیب بات ہوئی ہے اُسے بھلانے میں

جو منتظر نہ ملا وہ تو ہم ہیں شرمندہ
کہ ہم نے دیر لگا دی پلٹ کے آنے میں

لطیف تھا وہ تخیل سے، خواب سے نازک
گنوا دیا اُسے ہم نے ہی آزمانے میں

سمجھ لیا تھا کبھی اک سراب کو دریا
پر اِک سکون تھا ہم کو فریب کھانے میں

جھکا درخت ہوا سے، تو آندھیوں نے کہا
زیادہ فرق نہیں جھکنے، ٹوٹ جانے میں

❁❁❁

ہم کو تو بس تلاش نئے راستوں کی ہے
ہم ہیں مسافر ایسے جو منزل سے آئے ہیں

یہی حالات ابتدا سے رہے
لوگ ہم سے خفا خفا سے رہے

ان چراغوں میں تیل ہی کم تھا
کیوں گِلا ہم کو پھر ہوا سے رہے

بحث، شطرنج، شعر، موسیقی
تم نہیں تھے تو یہ دلا سے رہے

زندگی کی شراب مانگتے ہو
ہم کو دیکھو، کہ پی کے پیاسے رہے

اُس کے بندوں کو دیکھ کر، کہیے
ہم کو اُمیّد کیا خدا سے رہے

❁❁❁

بدن میں قید خود کو پا رہا ہوں
بڑی تنہائی ہے، گھبرا رہا ہوں

خدا حافظ

مجھے وہ دھند میں لپٹی ہوئی
معصوم صدیاں یاد آتی ہیں
کہ جب تم ہر جگہ تھے
ہر طرف تھے
ہر کہیں تھے تم
رہائش تھی تمھاری آسمانوں میں
زمیں کے بھی مکیں تھے تم
تمہیں تھے چاند اور سورج کے ملکوں میں

تمہیں تاروں کی نگری میں

ہواؤں میں

فضاؤں میں

دشاؤں میں

سلگتی دھوپ میں تم تھے

تمہیں تھے ٹھنڈی چھاؤں میں

تمہیں کھیتوں میں اُگتے تھے

تمہیں پیڑوں پہ پھلتے تھے

تمہیں بارش کی بوندوں میں

تمہیں ساری گھٹاؤں میں

ہر اک ساگر سے آگے تم تھے

ہر پربت کے اوپر تم

وباؤں میں

ہر اک سیلاب میں

سب زلزلوں میں

حادثوں میں بھی

رہا کرتے تھے چھپ کر تم

ہر اک آندھی میں

طوفاں میں

سمندر میں

بیاباں میں

ہر اک موسم ہر اک رُت میں

تمہیں ہر اک ستم میں تھے

تمہیں ہر اک کرم میں تھے

سبھی پاکیزہ ندیوں میں

مقدس آگ میں تم تھے

درندوں اور چرندوں

بچھوؤں میں ناگ میں تم تھے

سبھی کے ڈنک میں تم تھے

سبھی کے زہر میں تم تھے

جو انسانوں پہ آتے ہیں

ہر ایسے قہر میں تم تھے

مگر صدیوں کے تن سے لپٹی

دھند اب چھٹ رہی ہے

اب کہیں کچھ روشنی سی ہو رہی ہے

اور کہیں کچھ تیرگی سی گھٹ رہی ہے

یہ اُجالے صاف کہتے ہیں

نہ اب تم ہو وباؤں میں

نہ اب تم ہو گھٹاؤں میں

نہ بچھو میں نہ تو اب ناگ میں تم ہو

نہ آندھی اور طوفاں

اور نہ تو پاکیزہ ندیوں

اور مقدس آگ میں تم ہو

ادب ہے شرط

بس اتنا کہوں گا

تم نے شاید مجھ پہ ہے یہ مہربانی کی

میں اپنی علم کی مشعل لیے

پہنچا جہاں ہوں

میں نے دیکھا

تم نے ہے نقلِ مکانی کی

مگر اب بھی خلا کی وسعتوں میں تم ہی رہتے ہو

جسے کہتے ہیں قسمت

اصل میں

حالات کا بپھرا سمندر ہے

مگر اب تک یقینِ عام ہے

بن کے سمندر

تم ہی بہتے ہو

مجھے یہ ماننا ہوگا

وہاں تم ہو

جہاں یہ راز ہے پنہاں

کہ ایسی کائناتِ بیکراں کی ابتدا اور انتہا کیا ہے

وہاں تم ہو

جہاں یہ آگہی ہے

موت کے اس پردے کے پیچھے چھپا کیا ہے
ابھی کچھ دن وہاں رہ لو
مگر اتنا بتا دوں میں
اُدھر میں آنے والا ہوں

❁❁❁

احساس کا مسکن ہے اِن افکار سے آگے
جنگل یہ عجب آتا ہے بازار سے آگے

جب آئینہ کوئی دیکھو، اک اجنبی دیکھو
کہاں پہ لائی ہے تم کو یہ زندگی دیکھو

محبّتوں میں کہاں اپنے واسطے فرصت
جسے بھی چاہو وہ چاہے، مری خوشی دیکھو

جو ہوسکے تو زیادہ ہی چاہنا مجھ کو
کبھی جو میری محبت میں کچھ کمی دیکھو

جو دُور جائے تو غم ہے جو پاس آئے تو درد
نجانے کیا ہے وہ کمبخت آدمی دیکھو

اُجالا تو نہیں کہہ سکتے اِس کو ہم لیکن
ذرا سی کم تو ہوئی ہے یہ تیرگی دیکھو

❁❁❁

پہلے سہارے، پھر اُمیّدیں، پھر ارماں بھی چھوٹ گئے
اوپر سے تو زخمی ہوئے ہم، اندر سے بھی ٹوٹ گئے

ساری حیرت ہے مری، ساری ادا اُس کی ہے
بے گناہی ہے مری اور سزا اُس کی ہے

میرے الفاظ میں جو رنگ ہے وہ اُس کا ہے
میرے احساس میں جو ہے وہ فضا اُس کی ہے

شعر میرے ہیں مگر اُن میں محبت اُس کی
پھول میرے ہیں مگر بادِ صبا اُس کی ہے

اک محبت کی یہ تصویر ہے دو رنگوں میں
شوق سب میرا ہے اور ساری حیا اُس کی ہے

ہم نے کیا اُس سے محبت کی اجازت لی تھی
دل شکن ہی سہی، پَر بات بجا اُس کی ہے

ایک میرے ہی سوا سب کو پکارے ہے کوئی
میں نے پہلے ہی کہا تھا یہ صدا اُس کی ہے

خون سے سینچی ہے میں نے جو زمیں مرمر کے
وہ زمیں، ایک ستم گر نے کہا، اُس کی ہے

ق

اُس نے ہی اِس کو اُجاڑا ہے، اِسے لوٹا ہے
یہ زمیں اُس کی اگر ہے بھی تو کیا اُس کی ہے

❁❁❁

پرستار

وہ جو کہلاتا تھا دیوانہ ترا
وہ جسے حفظ تھا افسانہ ترا
جس کی دیواروں پہ آویزاں تھیں
تصویریں تری
وہ جو دہراتا تھا
تقریریں تری
وہ جو خوش تھا تری خوشیوں سے

ترے غم سے اداس

دور رہ کے جو سمجھتا تھا

وہ ہے تیرے پاس

وہ جسے، سجدہ تجھے کرنے سے انکار نہ تھا

اُس کو دراصل کبھی تجھ سے

کوئی پیار نہ تھا

اُس کی مشکل تھی

کہ دشوار تھے اُس کے رستے

جن پہ بے خوف و خطر

گھومتے رہزن تھے

سدا اُس کی انا کے درپے

اُس نے گھبرا کے

سب اپنی انا کی دولت

تیری تحویل میں رکھوا دی تھی

اپنی ذلت کو وہ دنیا کی نظر

اور اپنی بھی نگاہوں سے چھپانے کے لیے

کامیابی کو تری

تیری فتوحات

تری عزت کو

وہ ترے نام تری شہرت کو

اپنے ہونے کا سبب جانتا تھا

ہے وجود اُس کا جدا تجھ سے

یہ کب مانتا تھا

وہ مگر

پُرخطر راستوں سے آج نکل آیا ہے

وقت نے تیرے برابر نہ سہی

کچھ نہ کچھ اپنا کرم اُس پہ بھی فرمایا ہے

اب اسے تیری ضرورت ہی نہیں

جس کا دعویٰ تھا کبھی

اب وہ عقیدت ہی نہیں

تیری تحویل میں جو رکھّی تھی کل

اُس نے انا

آج وہ مانگ رہا ہے واپس
بات اتنی سی ہے
اے صاحبِ نام و شہرت
جس کو کل
تیرے خدا ہونے سے انکار نہ تھا
وہ کبھی تیرا پرستار نہ تھا

❁❁❁

خوش بھی ہوں ڈرتا بھی ہوں، مجھ کو خوشیاں
دشمن کی بھیجی سوغاتیں لگتی ہیں

نگل گئے سب کی سب سمندر، زمیں بچی اب کہیں نہیں ہے
بچاتے ہم اپنی جان جس میں وہ کشتی بھی اب کہیں نہیں ہے

بہت دنوں بعد پائی فرصت تو میں نے خود کو پلٹ کے دیکھا
مگر میں پہچانتا تھا جس کو وہ آدمی اب کہیں نہیں ہے

گزر گیا وقت دل پہ لکھ کر نجانے کیسی عجیب باتیں
ورق پلٹتا ہوں میں جو دل کے تو سادگی اب کہیں نہیں ہے

وہ آگ برسی ہے دوپہر میں کہ سارے منظر جھلس گئے ہیں
یہاں سویرے جو تازگی تھی وہ تازگی اب کہیں نہیں ہے

تم اپنے قصبوں میں جا کے دیکھو وہاں بھی اب شہر ہی بسے ہیں
کہ ڈھونڈتے ہو جو زندگی تم وہ زندگی اب کہیں نہیں ہے

❁❁❁

اب اپنا کوئی دوست کوئی یار نہیں ہے
ہیں جس کی طرف، وہ بھی طرفدار نہیں ہے

درد اپناتا ہے پرائے کون
کون سنتا ہے اور سنائے کون

کون دہرائے پھر وہی باتیں
غم ابھی سویا ہے، جگائے کون

اب سکوں ہے تو بھولنے میں ہے
لیکن اُس شخص کو بھلائے کون

وہ جو اپنے ہیں کیا وہ اپنے ہیں
کون دکھ جھیلے، آزمائے کون

آج پھر دل ہے کچھ اُداس اُداس
دیکھیے آج یاد آئے کون

❁❁❁

تم بِن ہم سکھ کیا پاتے دکھ بھی نہ ملا جی بھر کے
اب تک ہے وہی بے چینی اور درد ہے پہلے سے کم

عجیب قصہ ہے

عجیب قصہ ہے
جب یہ دنیا سمجھ رہی تھی
تم اپنی دنیا میں جی رہی ہو
میں اپنی دنیا میں جی رہا ہوں
تو ہم نے ساری نگاہوں سے دور
ایک دنیا بسائی تھی
جو کہ میری بھی تھی
تمہاری بھی تھی

جہاں فضاؤں میں
دونوں کے خواب جاگتے تھے
جہاں ہواؤں میں
دونوں کی سرگوشیاں گھلی تھیں
جہاں کے پھولوں میں
دونوں کی آرزو کے سب رنگ
کِھل رہے تھے
جہاں پہ دونوں کی جرأتوں کے
ہزار چشمے اُبل رہے تھے
نہ وَسوَسے تھے نہ رنج و غم تھے
سکون کا گہرا اک سمندر تھا
اور ہم تھے

عجیب قصہ ہے
ساری دنیا نے
جب یہ جانا

کہ ہم نے ساری نگاہوں سے دور
ایک دنیا بسائی ہے تو
ہر ایک ابرو نے جیسے ہم پر کمان تانی
تمام پیشانیوں پہ اُبھریں
غم اور غصے کی گہری شکنیں
کسی کے لہجے سے تلخی چھلکی
کسی کی باتوں میں تُرشی آئی
کسی نے چاہا
کہ کوئی دیوار ہی اُٹھا دے
کسی نے چاہا
ہماری دنیا ہی وہ مٹا دے
مگر زمانے کو ہارنا تھا

زمانہ ہارا

یہ ساری دنیا کو ماننا ہی پڑا
ہمارے خیال کی ایک سی زمیں ہے
ہمارے خوابوں کا ایک جیسا ہی آسماں ہے

مگر پرانی یہ داستاں ہے
کہ ہم پہ دنیا
اب ایک عرصے سے مہرباں ہے
عجیب قصہ ہے
جب کہ دنیا نے کب کا تسلیم کر لیا ہے
ہم ایک دنیا کے رہنے والے ہیں
سچ تو یہ ہے
تم اپنی دنیا میں جی رہی ہو
میں اپنی دنیا میں جی رہا ہوں

❁❁❁

شکر ہے خیریت سے ہوں صاحب
آپ سے اور کیا کہوں صاحب

اب سمجھنے لگا ہوں سود و زیاں
اب کہاں مجھ میں وہ جنوں صاحب

ذلّتِ زیست یا شکستِ ضمیر
یہ سہوں میں کہ وہ سہوں صاحب

ہم تمھیں یاد کرتے، رو لیتے
دو گھڑی ملتا جو سکوں صاحب

شام بھی ڈھل رہی ہے گھر بھی ہے دور
کتنی دیر اور میں رکوں صاحب

اب جھکوں گا تو ٹوٹ جاؤں گا
کیسے اب اور میں جھکوں صاحب

کچھ روایات کی گواہی پر
کتنا جرمانہ میں بھروں صاحب

❁❁❁

کھلا ہے در، پہ ترا انتظار جاتا رہا
خلوص تو ہے مگر اعتبار جاتا رہا

کسی کی آنکھ میں مستی تو آج بھی ہے وہی
مگر کبھی جو ہمیں تھا خمار، جاتا رہا

کبھی جو سینے میں اک آگ تھی وہ سرد ہوئی
کبھی نگاہ میں جو تھا شرار جاتا رہا

عجب سا چین تھا ہم کو کہ جب تھے ہم بے چین
قرار آیا تو جیسے قرار جاتا رہا

کبھی تو میری بھی شنوائی ہوگی محفل میں
میں یہ اُمید لیے بار بار جاتا رہا

❁❁❁

جو بال آجائے شیشے میں تو شیشہ توڑ دیتے ہیں
جسے چھوڑیں اُسے ہم عمر بھر کو چھوڑ دیتے ہیں

دشتِ جنوں ویرانیاں، قحطِ سکوں حیرانیاں، اک دل اور اُس کی
بے سروسامانیاں، از خاکداں تا آسماں، تنہائیاں تنہائیاں تنہائیاں

چہرہ زمیں کا زرد ہے، لہجہ ہوا کا سرد ہے، پہنے فضائیں ہیں کفن
یا گرد ہے، ماتم کناں ہے یہ سماں، تنہائیاں تنہائیاں تنہائیاں

سب ہم سفر اب کھو چکے، ہم ہاتھ سب سے دھو چکے، ہم سب کو کب کا رو
چکے، اُمیدِ حسرت آرزو جتنے فروزاں تھے یہاں گُل سب چراغ اب ہو چکے

اب ایک لمبی رات ہے، اب ایک ہی تو بات ہے، اب دل پہ جیسے غم کا
بھاری ہاتھ ہے، اب اک یہی ہے داستاں، تنہائیاں تنہائیاں تنہائیاں

اب یہ سفر دشوار ہے، ہر ہر قدم دیوار ہے، ہر لمحہ اک آزار ہے، اب
روز و شب ، شام و سحر ہے وقت وہ بیمار جو مرنے سے بھی لاچار ہے

مجبور ہو کے زندگی، ہے سانس روکے زندگی، ہے گنگ اب آواز
کھو کے زندگی، ہیں اِس خموشی میں نہاں، تنہائیاں تنہائیاں تنہائیاں

سہمی ہوئی ہیں خواہشیں، ٹھٹھکی ہوئی ہیں کاوشیں، کیا دوستی کیا رنجشیں، سب
جیسے اب ہیں بے اثر بے واقعہ سی زندگی کی ہیں عجب یہ سازشیں

جو غم تھے وہ بھی کھو گئے، دل جیسے خالی ہو گئے، کل جو تھے اپنے
ہم سفر وہ تو گئے، اب ہر طرف ہیں حکمراں، تنہائیاں تنہائیاں تنہائیاں

اے زیست یہ تُو ہی بتا، یہ کیا ہوا کیسے ہوا، کیوں ہم نے پائی یہ سزا، اب یاد
کرتے ہیں اگر تو یاد تک آتا نہیں دیکھا تھا ہم نے خواب کیا

کیا ساز کیا جام و سُبو، رخصت ہوئی ہر آرزو، چاروں پہر لگتا ہے
جیسے چار سُو، ہیں ساکت و جامد یہاں، تنہائیاں تنہائیاں تنہائیاں

❁❁❁

دِل

دل وہ صحرا تھا
کہ جس صحرا میں
حسرتیں
ریت کے ٹیلوں کی طرح رہتی تھیں
جب حوادث کی ہوا
ان کو مٹانے کے لیے
چلتی تھی
یہاں مٹتی تھیں
کہیں اور اُبھر آتی تھیں
شکل کھوتے ہی
نئی شکل میں ڈھل جاتی تھیں

دل کے صحرا پہ مگر اب کی بار
سانحہ گزرا کچھ ایسا
کہ سنائے نہ بنے
آندھی وہ آئی کہ سارے ٹیلے
ایسے بکھرے
کہ کہیں اور اُبھر ہی نہ سکے
یوں مٹے ہیں
کہ کہیں اور بنائے نہ بنے
اب کہیں
ٹیلے نہیں
ریت نہیں
ریت کا ذرّہ نہیں
دل میں اب کچھ بھی نہیں
دل کو صحرا بھی اگر کہیے
تو کیسے کہیے

❁❁❁

آرزو کے مسافر

جانے کس کی تلاش اُن کی آنکھوں میں تھی
آرزو کے مسافر
بھٹکتے رہے
جتنا بھی وہ چلے
اُتنے ہی بچھ گئے
راہ میں فاصلے
خواب منزل تھے
اور منزلیں خواب تھیں

راستوں سے نکلتے رہے راستے
جانے کس واسطے
آرزو کے مسافر بھٹکتے رہے

جن پہ سب چلتے ہیں
ایسے سب راستے چھوڑ کے
ایک انجان پگڈنڈی کی اُنگلی تھامے ہوئے
اک ستارے سے
اُمیّد باندھے ہوئے سمت کی
ہر گماں کو یقیں مان کے
اپنے دل سے
کوئی دھوکہ کھاتے ہوئے جان کے
صحرا صحرا
سمندر کو وہ ڈھونڈتے
کچھ سرابوں کی جانب
رہے گامزن

یوں نہیں تھا
کہ اُن کو خبر ہی نہ تھی
یہ سمندر نہیں
لیکن اُن کو کہیں
شاید احساس تھا
یہ فریب
اُن کو محوِ سفر رکھّے گا
یہ سبب تھا
کہ تھا اور کوئی سبب
جو لیے ان کو پھرتا رہا
منزلوں منزلوں
راستے راستے
جانے کس واسطے
آرزو کے مسافر بھٹکتے رہے

اکثر ایسا ہوا

شہر در شہر
اور بستی بستی
کسی بھی دریچے میں
کوئی چراغِ محبت نہ تھا
بے رخی سے بھری
ساری گلیوں میں
سارے مکانوں کے
دروازے یوں بند تھے
جیسے اک سرد
خاموش لہجے میں
وہ کہہ رہے ہوں
مروّت کا اور مہربانی کا مسکن
کہیں اور ہوگا
یہاں تو نہیں ہے
یہی ایک منظر سمیٹے تھے
شہروں کے پتھریلے سب راستے

جانے کس واسطے
آرزو کے مسافر بھٹکتے رہے

اور کبھی یوں ہوا
آرزو کے مسافر تھے
جلتی سلگتی ہوئی دھوپ میں
کچھ درختوں نے سائے بچھائے مگر
اُن کو ایسا لگا
سائے میں جو سکون
اور آرام ہے
منزلوں تک پہنچنے نہ دے گا اُنھیں
اور یوں بھی ہوا
مہکی کلیوں نے خوشبو کے پیغام بھیجے اُنھیں
اُن کو ایسا لگا
چند کلیوں پہ کیسے قناعت کریں
اُن کو تو ڈھونڈنا ہے

وہ گلشن کہ جس کو
کسی نے ابھی تک ہے دیکھا نہیں
جانے کیوں تھا اُنھیں اِس کا پورا یقیں
دیر ہو یا سویر اُن کو لیکن کہیں
ایسے گلشن کے مل جائیں گے راستے
جانے کس واسطے
آرزو کے مسافر بھٹکتے رہے

دھوپ ڈھلنے لگی
بس ذرا دیر میں رات ہو جائے گی
آرزو کے مسافر جو ہیں
اُن کے قدموں تلے
جو بھی اک راہ ہے
وہ بھی شاید اندھیرے میں کھو جائے گی
آرزو کے مسافر بھی
اپنے تھکے ہارے بے جان پیروں پہ

کچھ دیر تک لڑ کھڑائیں گے
اور گر کے سو جائیں گے
صرف سنّاٹا سوچے گا یہ رات بھر
منزلیں تو اِنھیں جانے کتنی ملیں
یہ مگر
منزلوں کو سمجھتے رہے جانے کیوں راستے
جانے کس واسطے
آرزو کے مسافر بھٹکتے رہے

اور پھر اک سویرے کی اُجلی کرن
تیرگی چیر کے
جگمگا دے گی
جب اَن گنت رہگزاروں پہ بکھرے ہوئے
اُن کے نقشِ قدم
عافیت گاہوں میں رہنے والے
یہ حیرت سے مجبور ہو کر کہیں گے

یہ نقشِ قدم صرف نقشِ قدم ہی نہیں
یہ تو دریافت ہیں
یہ تو ایجاد ہیں
یہ تو افکار ہیں
یہ تو اشعار ہیں
یہ کوئی رقص ہیں
یہ کوئی راگ ہیں
ان سے ہی تو ہیں آراستہ
ساری تہذیب و تاریخ کے
وقت کے
زندگی کے سبھی راستے

وہ مسافر مگر
جانتے بوجھتے بھی رہے بے خبر
جس کو چھو لیں قدم
وہ تو بس راہ تھی

اُن کی منزل دگر تھی
الگ چاہ تھی
جو نہیں مل سکے اس کی تھی آرزو
جو نہیں ہے کہیں اس کی تھی جستجو
شاید اس واسطے
آرزو کے مسافر بھٹکتے رہے

❁❁❁

مجھ کو بکھرنا تھا جو یہ گھیرا نہیں ہوتا
میں اپنا بھی نہ ہوتا جو تیرا نہیں ہوتا

برسوں کی رسم و راہ تھی، اک روز اُس نے توڑ دی
ہشیار ہم بھی کم نہیں، اُمیّد ہم نے چھوڑ دی

گرہیں پڑی ہیں کس طرح، یہ بات ہے کچھ اِس طرح
وہ ڈور ٹوٹی بارہا، ہر بار ہم نے جوڑ دی

اُس نے کہا کیسے ہو تم، بس میں نے لب کھولے ہی تھے
اور بات دنیا کی طرف جلدی سے اُس نے موڑ دی

وہ چاہتا ہے سب کہیں، سرکار تو بے عیب ہیں
جو دیکھ پائے عیب وہ ہر آنکھ اُس نے پھوڑ دی

تھوڑی سی پائی تھی خوشی، تو سو گئی تھی زندگی
اے درد تیرا شکریہ، جو اِس طرح جھنجھوڑ دی

❁❁❁

اجنبی ہم کو یہ دیوار یہ در کہتے ہیں
پر کہاں جائیں، چلو اِس کو ہی گھر کہتے ہیں

پیاس کی کیسے لائے تاب کوئی
نہیں دریا تو ہو سراب کوئی

زخم دل میں جہاں مہکتا ہے
اِسی کیاری میں تھا گلاب کوئی

رات بجتی تھی دور شہنائی
رویا پی کر بہت شراب کوئی

دل کو گھیرے ہیں روزگار کے غم
ردّی میں کھو گئی کتاب کوئی

کون سا زخم کس نے بخشا ہے
اِس کا رکھّے کہاں حساب کوئی

پھر میں سننے لگا ہوں اِس دل کی
آنے والا ہے پھر عذاب کوئی

شب کی دہلیز پر شفق ہے لہو
پھر ہوا قتل آفتاب کوئی

❁❁❁

برگد

میرے رستے میں اک موڑ تھا
اور اُس موڑ پر
پیڑ تھا ایک برگد کا
اونچا
گھنا
جس کے سایے میں میرا بہت وقت بیتا ہے
لیکن ہمیشہ یہی میں نے سوچا
کہ رستے میں یہ موڑ ہی اس لیے ہے
کہ یہ پیڑ ہے

عمر کی آندھیوں میں
وہ پیڑ ایک دن گر گیا
موڑ لیکن ہے اب تک وہیں کا وہیں
دیکھتا ہوں تو
آگے بھی رستے میں
بس موڑ ہی موڑ ہیں
پیڑ کوئی نہیں

راستوں میں مجھے یوں تو مل جاتے ہیں مہرباں
پھر بھی ہر موڑ پر
پوچھتا ہے یہ دل
وہ جو اک چھاؤں تھی
کھو گئی ہے کہاں

❁❁❁

شبانہ

یہ آئے دن کے ہنگامے
یہ جب دیکھو سفر کرنا
یہاں جانا وہاں جانا
اِسے ملنا اُسے ملنا
ہمارے سارے لمحے
ایسے لگتے ہیں
کہ جیسے ٹرین کے چلنے سے پہلے
ریلوے اسٹیشنوں پر
جلدی جلدی اپنے ڈبّے ڈھونڈتے
کوئی مسافر ہوں
جنھیں کب سانس بھی لینے کی مہلت ہے

کبھی لگتا ہے
تم کو مجھ سے مجھ کو تم سے ملنے کا
خیال آئے
کہاں اتنی بھی فرصت ہے

مگر جب سنگ دل دنیا مرا دل توڑتی ہے تو
کوئی اُمید چلتے چلتے
جب منہ موڑتی ہے تو
کبھی کوئی خوشی کا پھول
جب اس دل میں کھلتا ہے
کبھی جب مجھ کو اپنے ذہن سے
کوئی خیال انعام ملتا ہے
کبھی جب اک تمنا پوری ہونے سے
یہ دل خالی سا ہوتا ہے
کبھی جب درد آ کے پلکوں پہ موتی پروتا ہے
تو یہ احساس ہوتا ہے

خوشی ہو غم ہو حیرت ہو
کوئی جذبہ ہو
اس میں جب کہیں اک موڑ آئے تو
وہاں پل بھر کو
ساری دنیا پیچھے چھوٹ جاتی ہے
وہاں پل بھر کو
اِس کٹھ پُتلی جیسی زندگی کی
ڈوری ڈوری ٹوٹ جاتی ہے
مجھے اس موڑ پر
بس اک تمھاری ہی ضرورت ہے
مگر یہ زندگی کی خوبصورت اک حقیقت ہے
کہ میری راہ میں جب ایسا کوئی موڑ آیا ہے
تو ہر اُس موڑ پر میں نے
تمھیں ہمراہ پایا ہے

❁❁❁

دست بردار اگر آپ غضب سے ہوجائیں
ہر ستم بھول کے ہم آپ کے اب سے ہوجائیں

چودھویں شب ہے تو کھڑکی کے گرا دو پردے
کون جانے کہ وہ ناراض ہی شب سے ہوجائیں

ایک خوشبو کی طرح پھیلتے ہیں محفل میں
ایسے الفاظ ادا جو ترے لب سے ہوجائیں

نہ کوئی عشق ہے باقی نہ کوئی پرچم ہے
لوگ دیوانے بھلا کس کے سبب سے ہوجائیں

باندھ لو ہاتھ کہ پھیلیں نہ کسی کے آگے
سی لو یہ لب کہ کہیں وا نہ طلب سے ہوجائیں

بات تو چھیڑ مرے دل، کوئی قصہ تو سنا
کیا عجب اُن کے بھی جذبات عجب سے ہوجائیں

❁❁❁

میں کب سے کتنا ہوں تنہا تجھے پتا بھی نہیں
ترا تو کوئی خدا ہے، مرا خدا بھی نہیں

کبھی یہ لگتا ہے اب ختم ہو گیا سب کچھ
کبھی یہ لگتا ہے اب تک تو کچھ ہوا بھی نہیں

کبھی تو بات کی اُس نے، کبھی رہا خاموش
کبھی تو ہنس کے ملا اور کبھی ملا بھی نہیں

کبھی جو تلخ کلامی تھی وہ بھی ختم ہوئی
کبھی گلہ تھا ہمیں اُن سے اب گلا بھی نہیں

وہ چیخ اُبھری، بڑی دیر گونجی، ڈوب گئی
ہر ایک سنتا تھا لیکن کوئی ہلا بھی نہیں

❁❁❁

رسوائیوں کا تاج ہے غم کی صلیب ہے
اتنا بھی مل گیا ہے تو اپنا نصیب ہے

کچّی بستی

گلیاں
اور گلیوں میں گلیاں
چھوٹے گھر
نیچے دروازے
ٹاٹ کے پردے
میلی بدرنگی دیواریں
دیواروں سے سر ٹکراتی
کوئی گالی
گلیوں کے سینے پر بہتی
گندی نالی

گلیوں کے ماتھے پر بہتا
آوازوں کا گندہ نالا

آوازوں کی بھیڑ بہت ہے
انسانوں کی بھیڑ بہت ہے
کڑوے اور کسیلے چہرے
بدحالی کے زہر سے ہیں زہریلے چہرے
بیماری سے پیلے چہرے
مرتے چہرے
ہارے چہرے
بے بس اور بے چارے چہرے
سارے چہرے

ایک پہاڑی کچرے کی
اور اُس پر پھرتے
آوارہ کُتوں سے بچے

اپنا بچپن ڈھونڈ رہے ہیں

دن ڈھلتا ہے
اِس بستی میں رہنے والے
اوروں کی جنت کو اپنی محنت دے کر
اپنے جہنم کی جانب
اب تھکے ہوئے
جھنجھلائے ہوئے سے
لوٹ رہے ہیں
ایک گلی میں
زنگ لگے پیپے رکھّے ہیں
کچی دارُو مہک رہی ہے
آج سویرے سے بستی میں
قتل وخوں کا
چاقو زنی کا
کوئی قصہ نہیں ہوا ہے

خیر
ابھی تو شام ہے
پوری رات پڑی ہے

یوں لگتا ہے
ساری بستی
جیسے اک دُکھتا پھوڑا ہے
یوں لگتا ہے
ساری بستی
جیسے ہے اک جلتا کڑھاؤ
یوں لگتا ہے
جیسے خدا نکُڑ پر بیٹھا
ٹوٹے پھوٹے انساں
اونے پونے داموں
بیچ رہا ہے

❁❁❁

ایک شاعر دوست سے

گھر میں بیٹھے ہوئے کیا لکھتے ہو

باہر نکلو

دیکھو کیا حال ہے دنیا کا

یہ کیا عالَم ہے

سونی آنکھیں ہیں

سبھی خوشیوں سے خالی جیسے

آؤ ان آنکھوں میں خوشیوں کی چمک ہم لکھ دیں

یہ جو ماتھے ہیں

اداسی کی لکیروں کے تلے

آؤ ان ماتھوں پہ قسمت کی دمک ہم لکھ دیں

چہروں سے گہری یہ مایوسی مٹا کے

آؤ

ان پہ اُمیّد کی اک اجلی کرن ہم لکھ دیں

دور تک جو ہمیں ویرانے نظر آتے ہیں

آؤ ویرانوں پر اب ایک چمن ہم لکھ دیں

لفظ در لفظ سمندر سا بہے

موج بہ موج

بحرِ نغمات میں

ہر کوہِ ستم حل ہو جائے

دنیا دنیا نہ رہے ایک غزل ہو جائے

❁❁❁

دل کا ہر درد کھو گیا جیسے
میں تو پتھر کا ہوگیا جیسے

داغ باقی نہیں کہ نقش کہوں
کوئی دیوار دھو گیا جیسے

جاگتا ذہن غم کی دھوپ میں تھا
چھاؤں پاتے ہی سو گیا جیسے

دیکھنے والا تھا کل اُس کا تپاک
پھر سے وہ غیر ہوگیا جیسے

کچھ بچھڑنے کے بھی طریقے ہیں
خیر، جانے دو جو گیا جیسے

❁❁❁

میری سانسوں میں جس کی خوشبو تھی
دل کے گلدان سے وہ گُل بھی گیا

ابھی ضمیر میں تھوڑی سی جان باقی ہے
ابھی ہمارا کوئی امتحان باقی ہے

ہمارے گھر کو تو اُجڑے ہوئے زمانہ ہوا
مگر سنا ہے ابھی وہ مکان باقی ہے

ہماری اُن سے جو تھی گفتگو، وہ ختم ہوئی
مگر سکوت سا کچھ درمیان باقی ہے

ہمارے ذہن کی بستی میں آگ ایسی لگی
کہ جو تھا خاک ہوا، اک دکان باقی ہے

وہ زخم بھر گیا عرصہ ہوا مگر اب تک
ذرا سا درد ذرا سا نشان باقی ہے

ذرا سی بات جو پھیلی تو داستان بنی
وہ بات ختم ہوئی داستان باقی ہے

اب آیا تیر چلانے کا فن تو کیا آیا
ہمارے ہاتھ میں خالی کمان باقی ہے

یہ مجھ سے پوچھتے ہیں چارہ گر کیوں
کہ تُو زندہ تو ہے اب تک، مگر کیوں

جو رستہ چھوڑ کے میں جا رہا ہوں
اُسی رستے پہ جاتی ہے نظر کیوں

تھکن سے چُور پاس آیا تھا اِس کے
گرا سوتے میں مجھ پر یہ شجر کیوں

سنائیں گے کبھی فرصت میں تم کو
کہ ہم برسوں رہے ہیں دربدر کیوں

یہاں بھی سب ہیں بے گانہ ہی مجھ سے
کہوں میں کیا کہ یاد آیا ہے گھر کیوں

میں خوش رہتا اگر سمجھا نہ ہوتا
یہ دنیا ہے تو میں ہوں دیدہ ور کیوں

❁❁❁

دیکھ کر تم کو یہ خیال آیا
کیا کسی نے تمھیں چُھوا ہوگا

زندگی کی آندھی میں ذہن کا شجر تنہا
تم سے کچھ سہارا تھا، آج ہوں مگر تنہا

زخم خوردہ لمحوں کو مصلحت سنبھالے ہے
اَن گِنت مریضوں میں ایک چارہ گر تنہا

بوند جب تھی بادل میں زندگی تھی ہلچل میں
قید اب صدف میں ہے بن کے ہے گہر تنہا

تم فضول باتوں کا دل پہ بوجھ مت لینا
ہم تو خیر کر لیں گے زندگی بسر تنہا

اک کھلونا جوگی سے کھوگیا تھا بچپن میں
ڈھونڈتا پھرا اُس کو وہ نگر نگر تنہا

جُھٹپٹے کا عالَم ہے جانے کون آدم ہے
اک لحد پہ روتا ہے منہ کو ڈھانپ کر تنہا

وہ زمانہ گزر گیا کب کا
تھا جو دیوانہ، مر گیا کب کا

ڈھونڈتا تھا جو اک نئی دنیا
لوٹ کے اپنے گھر گیا کب کا

وہ جو لایا تھا ہم کو دریا تک
پار اکیلے اُتر گیا کب کا

اُس کا جو حال ہے وہی جانے
اپنا تو زخم بھر گیا کب کا

خواب در خواب تھا جو شیرازہ
اب کہاں ہے، بکھر گیا کب کا

❁❁❁

چاندنی کے لیے مَتھا سورج
کیا کہیں کیسی مات کھائی ہے

یہ دنیا تم کو راس آئے تو کہنا
نہ سر پتھر سے ٹکرائے تو کہنا

یہ گُل کاغذ ہیں، یہ زیور ہیں پیتل
سمجھ میں جب یہ آجائے تو کہنا

بہت خوش ہو، کہ اُس نے کچھ کہا ہے
نہ کہہ کر وہ مکر جائے تو کہنا

بہل جاؤ گے تم غم سن کے میرے
کبھی دل غم سے گھبرائے تو کہنا

دھواں جو کچھ گھروں سے اُٹھ رہا ہے
نہ پورے شہر پر چھائے تو کہنا

بَروقت ایک اور خیال

خیال آتا ہے
جیسے بچوں کی آنکھ بادل میں
شیر اور ہاتھی دیکھتی ہے
بہت سے لوگوں نے
وقت میں بھی
شعور بینائی اور سماعت
کے وصف دیکھے

بہت سے لوگوں کی جستجو کے سفر کا انجام
اس عقیدے کی چھاؤں میں ہے
کہ وقت کہتے ہیں جس کو
دراصل وہ خدا ہے
مگر ہے جس کو تلاش سچ کی
بھٹک رہا ہے
یہ اک سوال
اس کے ذہن و دل میں
کھٹک رہا ہے
یہ وقت کیا ہے

❁❁❁

دیکھی ہے چاند چہروں کی بھی چاندنی مگر
اُس چہرے پر عجب ہے ذہانت کی روشنی

عجیب آدمی تھا وہ

(کیفی صاحب)

عجیب آدمی تھا وہ
محبتوں کا گیت تھا
بغاوتوں کا راگ تھا
کبھی وہ صرف پھول تھا
کبھی وہ صرف آگ تھا
عجیب آدمی تھا وہ

وہ مفلسوں سے کہتا تھا
کہ دن بدل بھی سکتے ہیں
وہ جابروں سے کہتا تھا

تمہارے سر پہ سونے کے جو تاج ہیں
کبھی پگھل بھی سکتے ہیں

وہ بندشوں سے کہتا تھا
میں تم کو توڑ سکتا ہوں
سہولتوں سے کہتا تھا
میں تم کو چھوڑ سکتا ہوں
ہواؤں سے وہ کہتا تھا
میں تم کو موڑ سکتا ہوں

وہ خواب سے یہ کہتا تھا
کہ تجھ کو سچ کروں گا میں
وہ آرزو سے کہتا تھا
میں تیرا ہم سفر ہوں
تیرے ساتھ ہی چلوں گا میں
تُو چاہے جتنی دور بھی بنا لے اپنی منزلیں

کبھی نہیں تھکوں گا میں

وہ زندگی سے کہتا تھا
کہ تجھ کو میں سجاؤں گا
تُو مجھ سے چاند مانگ لے
میں چاند لے کے آؤں گا

وہ آدمی سے کہتا تھا
کہ آدمی سے پیار کر
اُجڑ رہی ہے یہ زمیں
کچھ اِس کا اب سنگار کر

عجیب آدمی تھا وہ

وہ زندگی کے سارے غم
تمام دکھ

ہر اک ستم سے کہتا تھا
میں تم سے جیت جاؤں گا
کہ تم کو تو مٹا ہی دے گا ایک روز آدمی
بھلا ہی دے گا یہ جہاں
مری الگ ہے داستاں

وہ آنکھیں جن میں خواب ہیں
وہ دل ہے جن میں آرزو
وہ بازو جن میں ہے سکت
وہ ہونٹ جن پہ لفظ ہیں
رہوں گا اُن کے درمیاں
کہ جب میں بیت جاؤں گا

عجیب آدمی تھا وہ

❁❁❁

آج میں نے اپنا پھر سودا کیا
اور پھر میں دُور سے دیکھا کیا

زندگی بھر میرے کام آئے اُصول
ایک اک کر کے اُنھیں بیچا کیا

بندھ گئی تھی دل میں کچھ اُمیّد سی
خیر، تم نے جو کیا اچھا کیا

کچھ کمی اپنی وفاؤں میں بھی تھی
تم سے کیا کہتے کہ تم نے کیا کیا

کیا بتاؤں کون تھا جس نے مجھے
اِس بھری دنیا میں ہے تنہا کیا

❁❁❁

آج وہ بھی بچھڑ گیا ہم سے
چلیے، یہ قصہ بھی تمام ہوا

میلے

باپ کی اُنگلی تھامے
اک ننھا سا بچہ
پہلے پہل میلے میں گیا تو
اپنی بھولی بھالی
کنچوں جیسی آنکھوں سے
اک دنیا دیکھی
یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے
سب اُس نے پوچھا
باپ نے جھک کر

کتنی ساری چیزوں اور کھیلوں کا
اُس کو نام بتایا
نٹ کا
بازی گر کا
جادوگر کا
اُس کو کام بتایا
پھر وہ گھر کی جانب لوٹے
گود کے جھولے میں
بچے نے باپ کے کندھے پر سر رکھّا
باپ نے پوچھا
نیند آتی ہے

وقت بھی ایک پرندہ ہے
اُڑتا رہتا ہے

گاؤں میں پھر میلا آیا

بوڑھے باپ نے کانپتے ہاتھوں سے
بیٹے کی باہنہ کو تھاما
اور بیٹے نے
یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے
جتنا بھی بن پایا
سمجھایا
باپ نے بیٹے کے کندھے پر سر رکھّا
بیٹے نے پوچھا
نیند آتی ہے
باپ نے مڑ کے
یاد کی پگڈنڈی پر چلتے
بیتے ہوئے
سب اچھے برے
اور کڑوے میٹھے
لمحوں کے پیروں سے اُڑتی
دھول کو دیکھا

پھر
اپنے بیٹے کو دیکھا
ہونٹوں پر
اک ہلکی سی مسکان آئی
ہولے سے بولا
ہاں!
مجھ کو اب نیند آتی ہے

❁❁❁

مونتاج

نیند کے بادلوں کے پیچھے ہے
مسکراتا ہوا کوئی چہرہ
چہرے پہ بکھری ایک ریشمی لٹ
سرسراتا ہوا کوئی آنچل
اور دو آنکھیں حیراں حیراں سی

اک ملاقات
اک حسیں لمحہ
جھیل کا ٹھہرا ٹھہرا سا پانی

پیڑ پر چہچہاتی اک چڑیا
گھاس پر کھلتے ننھے ننھے پھول
خوبصورت لبوں پہ نرم سی بات

دوپہر ایک پیلی پیلی سی
برف سی ٹھنڈک ایک لہجے میں
ٹوٹا آئینہ
اُڑتے کچھ کاغذ
منہدم پُل
ادھوری ایک سڑک
کرچوں کرچوں بکھرتا اک منظر
پلکوں پر جھلملاتا اک آنسو
گہرا سنّاٹا شور کرتا ہوا
نیند کے بادلوں کے پیچھے ہے

❁❁❁

کس لیے کیجے بزم آرائی
پُرسکوں ہوگئی ہے تنہائی

پھر خموشی نے ساز چھیڑا ہے
پھر خیالات نے لی انگڑائی

یوں سکوں آشنا ہوئے لمحے
بوند میں جیسے آئے گہرائی

اک سے اک واقعہ ہوا لیکن
نہ گئی تیرے غم کی یکتائی

کوئی شکوہ نہ غم نہ کوئی یاد
بیٹھے بیٹھے بس آنکھ بھر آئی

ڈھلکی شانوں سے ہر یقیں کی قبا
زندگی لے رہی ہے انگڑائی

نہ خوشی دے تو کچھ دلاسا دے
دوست، جیسے ہو مجھ کو بہلا دے

آگہی سے ملی ہے تنہائی
آمری جان مجھ کو دھوکا دے

اب تو تکمیل کی بھی شرط نہیں
زندگی اب تو اک تمنا دے

اے سفر اِتنا رائیگاں تو نہ جا
نہ ہو منزل کہیں تو پہنچا دے

ترک کرنا ہے گر تعلق تو
خود نہ جا تو کسی سے کہلا دے

جا بھی چکا وہ، پھر بھی میں تنہا نہیں اب تک
سورج کے ڈوبتے ہی اندھیرا نہیں ہوتا

پندرہ اگست

(یہ نظم پندرہ اگست 2007 کو ہندوستانی پارلیمنٹ کے اُسی مقام سے سنائی گئی تھی جہاں سے
پندرہ اگست 1947 میں پنڈت جواہر لال نہرو نے آزادی کا اعلان کیا تھا۔)

یہی جگہ تھی یہی دن تھا اور یہی لمحات
سروں پہ چھائی تھی صدیوں سے اک جو کالی رات
اِسی جگہ اِسی دن تو ملی تھی اُس کو مات
اِسی جگہ اِسی دن تو ہوا تھا یہ اعلان
اندھیرے ہار گئے زندہ باد ہندوستان
یہیں تو ہم نے کہا تھا یہ کر دکھانا ہے

جو زخم تن پہ ہے بھارت کے اُس کو بھرنا ہے
جو داغ ماتھے پہ بھارت کے ہے مٹانا ہے
یہیں تو کھائی تھی ہم سب نے یہ قسم اُس دن
یہیں سے نکلے تھے اپنے سفر پہ ہم اُس دن
یہیں تھا گونج اُٹھا وندے ماترم اُس دن

ہے جرأتوں کا سفر وقت کی ہے راہ گزر
نظر کے سامنے ہے ساٹھ میل کا پتھر
کوئی جو پوچھے کِیا کیا ہے کچھ کِیا ہے اگر
تو اُس سے کہہ دو کہ وہ آئے دیکھ لے آ کر
لگایا ہم نے تھا جمہوریت کا جو پودا
وہ آج ایک گھنیرا سا اونچا برگد ہے
اور اُس کے سائے میں کیا بدلا کتنا بدلا ہے
کب انتہا ہے کوئی اِس کی ،کب کوئی حد ہے
چمک دکھاتے ہیں ذرّے اب آسمانوں کو
زبان مل گئی ہے سارے بے زبانوں کو

جو ظلم سہتے تھے وہ اب حساب مانگتے ہیں
سوال کرتے ہیں اور پھر جواب مانگتے ہیں

یہ کل کی بات ہے صدیوں پرانی بات نہیں
کہ کل تلک تھا یہاں کچھ بھی اپنے ہات نہیں
بدیسی راج نے سب کچھ نچوڑ ڈالا تھا
ہمارے دیس کا ہر کرگھا توڑ ڈالا تھا
جو ملک سوئی کی خاطر تھا اوروں کا محتاج
ہزاروں چیزیں وہ دنیا کو دے رہا ہے آج
نیا زمانہ لیے اک اُمنگ آیا ہے
کروروں لوگوں کے چہرے پہ رنگ آیا ہے
یہ سب کسی کے کرم سے، نہ ہے عنایت سے
یہاں تک آیا ہے بھارت خود اپنی محنت سے

جو کامیابی ہے اُس کی خوشی تو پوری ہے
مگر یہ یاد بھی رکھنا بہت ضروری ہے

کہ داستان ہماری ابھی ادھوری ہے
بہت ہوا ہے مگر پھر بھی یہ کمی تو ہے
بہت سے ہونٹوں پہ مسکان آ گئی لیکن
بہت سی آنکھیں ہیں جن میں ابھی نمی تو ہے

یہی جگہ تھی یہی دن تھا اور یہی لمحات
یہیں تو دیکھا تھا اک خواب سوچی تھی اک بات
مسافروں کے دلوں میں خیال آتا ہے
ہر اک ضمیر کے آگے سوال آتا ہے
وہ بات یاد ہے اب تک ہمیں کہ بھول گئے
وہ خواب اب بھی سلامت ہیں یا فضول گئے
چلے تھے دل میں لیے جو ارادے پورے ہوئے
جو ہم نے خود سے کیے تھے وہ وعدے پورے ہوئے
یہ کون ہے کہ جو یادوں میں چرخہ کاتتا ہے
یہ کون ہے جو ہمیں آج بھی بتاتا ہے

ہے وعدہ خود سے نبھانا ہمیں اگر اپنا
تو کارواں نہیں رک پائے بھول کر اپنا
ہے تھوڑی دور ابھی سپنوں کا نگر اپنا
مسافرو! ابھی باقی ہے کچھ سفر اپنا

❁❁❁

کبھی مشکلیں، کبھی منزلیں، یہی زندگی کا اصول ہے
وہ جو رونا کانٹوں کا روتے ہیں کبھی پھولوں کو بھی تو دیکھتے

میں خود بھی کب یہ کہتا ہوں کوئی سبب نہیں
تُو سچ ہے مجھ کو چھوڑ بھی دے تو عجب نہیں

واپس جو چاہو جانا تو جاسکتے ہو مگر
اب اِتنی دور آگئے ہم، دیکھو اب نہیں

زَر کا، ضرورتوں کا، زمانے کا، دوستو
کرتے تو ہم بھی ہیں مگر اِتنا ادب نہیں

میرا خلوص ہے تو ہمیشہ کے واسطے
تیرا کرم نہیں ہے کہ اب ہے اور اب نہیں

آئے وہ روز و شب کہ جو چاہے تھے روز و شب
تو میرے روز و شب بھی مرے روز و شب نہیں

دنیا سے کیا شکایتیں، لوگوں سے کیا گلہ
ہم کو ہی زندگی سے نبھانے کا ڈھب نہیں

❁❁❁

ہمسائے کے نام

کچھ تم نے کہا
کچھ میں نے کہا
اور بڑھتے بڑھتے بات بڑھی
دل اوب گیا
دن ڈوب گیا
اور گہری کالی رات بڑھی

تم اپنے گھر

میں اپنے گھر

سارے دروازے بند کیے

بیٹھے ہیں کڑوے گھونٹ پیے

اوڑھے ہیں غصے کی چادر

کچھ تم سوچو

کچھ میں سوچوں

کیوں اونچی ہیں یہ دیواریں

کب تک ہم اِن پر سر ماریں

کب تک یہ اندھیرے رہنے ہیں

کینہ کے یہ گھیرے رہنے ہیں

چلو اپنے دروازے کھولیں

اور گھر سے باہر آئیں ہم

دل ٹھہرے جہاں ہیں برسوں سے

وہ اک نکّڑ ہے نفرت کا

کب تک اس نکّڑ پر ٹھہریں

اب اس سے آگے جائیں ہم

بس تھوڑی دور اک دریا ہے

جہاں ایک اُجالا بہتا ہے

واں لہروں لہروں ہیں کرنیں

اور کرنوں کرنوں ہیں لہریں

اُن کرنوں میں

اُن لہروں میں

ہم دل کو خوب نہانے دیں

سینوں میں جو اک پتھر ہے

اُس پتھر کو گھل جانے دیں

دل کے اک کونے میں بھی چھپی

گر تھوڑی سی بھی نفرت ہے

اُس نفرت کو دُھل جانے دیں

دونوں کی طرف سے جس دن بھی

اظہارِ ندامت کا ہوگا

تب جشنِ محبت کا ہوگا

❁❁❁

ہمارے دل میں اب تلخی نہیں ہے
مگر وہ بات پہلے سی نہیں ہے

مجھے مایوس بھی کرتی نہیں ہے
یہی عادت تری اچھی نہیں ہے

بہت سے فائدے ہیں مصلحت میں
مگر دل کی تو یہ مرضی نہیں ہے

ہر اک کی داستاں سنتے ہیں جیسے
کبھی ہم نے محبت کی نہیں ہے

ہے اک دروازہ بِن دیوار دنیا
مفر غم سے یہاں کوئی نہیں ہے

یاد اُسے بھی ایک ادھورا افسانا تو ہوگا
کل رستے میں اُس نے ہم کو پہچانا تو ہوگا

ڈر ہم کو بھی لگتا ہے رستے کے سنّاٹے سے
لیکن ایک سفر پر اے دل، اب جانا تو ہوگا

کچھ باتوں کے مطلب ہیں اور کچھ مطلب کی باتیں
جو یہ فرق سمجھ لے گا وہ دیوانا تو ہوگا

دل کی باتیں نہیں ہیں تو دلچسپ ہی کچھ باتیں ہوں
زندہ رہنا ہے تو دل کو بہلانا تو ہوگا

جیت کے بھی وہ شرمندہ ہے، ہار کے بھی ہم نازاں
کم سے کم وہ دل ہی دل میں یہ مانا تو ہوگا

درد کچھ دن تو میہماں ٹھہرے
ہم بضد ہیں کہ میزباں ٹھہرے

صرف تنہائی صرف ویرانی
یہ نظر جب اُٹھے جہاں ٹھہرے

کون سے زخم پر پڑاؤ کیا
درد کے قافلے کہاں ٹھہرے

کیسے دل میں خوشی بسا لوں میں
کیسے مٹھی میں یہ دھواں ٹھہرے

تھی کہیں مصلحت، کہیں جرأت
ہم کہیں اِن کے درمیاں ٹھہرے

پیڑ سے لپٹی بیل

ایک پرانے
اور گھنیرے پیڑ کی اک ڈالی سے لپٹی
بیل میں
ساری پیڑ کی رنگت
پیڑ کی خوشبو
سما گئی تھی
بیل بھی پیڑ کا اک حصہ تھی
پیڑ کے بارے میں
یوں تو سو افسانے تھے

بیل کا کوئی ذکر نہیں تھا
وہ خاموش سا اک قصہ تھی
پیڑ پہ رنگوں کا موسم تھا
بیل پہ جیسے
ہلکی سی مسکان کے
ننھے پھول کھلے تھے
لیکن
پھر یہ موسم بدلا
اور بڑی زہریلی ہوائیں
پیڑ گرانے
چاروں دِشاؤں سے جب لپکیں
یوں لگتا تھا
پیڑ ہوا میں
پتہ پتہ بکھر رہا ہے
یوں لگتا تھا
ساری شاخیں ٹوٹ رہی ہیں

یوں لگتا تھا
ساری جڑیں اب اُکھڑ رہی ہیں
پل دو پل میں
پیڑ زمیں پر
منہ کے بل گرنے والا ہے
پر جو ہوا
وہ قصہ بھی سننے والا ہے
پیڑ جو کانپا
بیل کے تن من میں جیسے
اک بجلی دوڑی
ریشم جیسی بیل کا ریشہ ریشہ
جیسے لوہے کا اک تار بنا
اور بیل نے
ساری ٹوٹی شاخوں کو
یوں باندھا
پیڑ کے سارے گھائل تن کو

یوں لپٹایا
پیڑ کی ہر زخمی ڈالی کو
کچھ یوں تھاما
جتنی تھیں زہریلی ہوائیں
پیڑ سے سر ٹکرا ٹکرا کے
ہار گئی ہیں
ہانپ رہی ہیں
ہو کے پریشاں
ہکّا بکّا دیکھ رہی ہیں

وقت کے بھی ہیں کھیل نرالے
بیل اپنی بانہوں میں اب ہے پیڑ سنبھالے
دھیرے دھیرے
گھائل شاخوں پر
پتّے پھر نکل رہے ہیں
دھیرے دھیرے

لاوا

نئی جڑیں پھوٹی ہیں
اور دھرتی میں گہری اُتر رہی ہیں
بیل پہ جیسے
ایک نئی مسکان کے ننھے پھول کھلے ہیں

❁❁❁

اُس کی آنکھوں میں بھی کاجل پھیل رہا ہے
میں بھی مڑ کے جاتے جاتے دیکھ رہا ہوں